Journal of Urdu Literature and Indigenous Languages(Julil)
www.julil.org
editor@julil.org
Volume 4, Issue 2, (July to December 2025)
ISSN Online: 3005-978X
ISSN Print: 3005-9771

علامہ اقبالؔ کی نظموں میں اسلامی تشخص

Islamic Identity in Allama Iqbal's Poetry

ساجد رضا خان
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر صائمہ اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Sajid Raza Khan
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
Dr.Saima Iqbal (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University Faisalabad
drsaimaiqbal@gcuf.edu.pk

Abstract:
In Allama Iqbal's poetry, Islamic identity occupies a central and prominent position. Through his verses, Iqbal instilled in the Muslims of the world a sense of their lost selfhood, dignity, and religious zeal. According to him, Islam is not merely a religion but a comprehensive code of life that guides a person towards self-awareness, action, knowledge, and spiritual elevation. In poems like *Shikwa* and *Jawab-e-Shikwa*, Iqbal not only criticized the weakened state of the Muslim Ummah but also endeavored to reconnect them with their glorious past and the true spirit of faith. His poetry repeatedly reflects the teachings of the Qur'an, the exemplary life of the Prophet ﷺ, and the concept of Tawhid, which imbues his intellectual and poetic identity with an Islamic character. Moreover, Iqbal's Islamic identity is not confined to religious devotion alone; it manifests as a practical and revolutionary call.
Keywords: Islamic Identity, Allama Iqbal, Khudi (Selfhood), Dignity, Tawhid, Qur'anic Teachings, Awakening, Unity, Struggle, Spiritual Power

اقبالؔ کی شاعری میں قومیت اور وطنیت کے تصور کے بڑے گہرے نقوش ملتے ہیں جنھیں اقبال نے اپنی فکر کے رنگوں سے اس قدر گہرا کر دیا ہے کہ اس میں حقائق کی مختلف صورتیں صاف صاف دکھائی دیتی ہیں۔ وہ حقائق کی رنگتوں کو لے کر جس میدان میں بھی اُترے خوب صورت تصاویر بناتے چلے گئے۔ وطن پرستی ہو یا قوم کی بیداری کا مسئلہ اس میں ایک خاص نصب العین میں آفاقیت سے بغاوت اور حاکمانہ رویے سے نفرت کا اظہار ضرور شامل رہتا ہے۔ علامہ اقبالؔ کی نظم گوئی میں اسلامی تشخص بنیادی اور نمایاں عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبالؔ نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانانِ عالم کو ان کی کھوئی ہوئی خودی، شان اور دینی غیرت کا احساس دلایا۔ ان کے نزدیک اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو خود آگاہی، عمل، علم اور روحانی بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" جیسی نظموں میں اقبالؔ نے نہ صرف امتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر تنقید کی بلکہ انہیں ان کے سنہری ماضی اور ایمان کی اصل روح سے جوڑنے کی کوشش کی۔ ان کی شاعری میں قرآن مجید کی تعلیمات، سیرتِ

رسول ﷺ کے نقوش اور توحید کا تصور بار بار ابھرتا ہے، جو ان کے فکری و شعری تشخص کو اسلامی رنگ عطا کرتا ہے۔ دوسری طرف اقبالؔ کا اسلامی تشخص محض مذہبی عقیدت تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی اور انقلابی دعوت بن کر سامنے آتا ہے۔

ان کے نزدیک "مومن" وہ ہے جو خالقِ کائنات پر پختہ ایمان رکھتا ہے، دنیا میں جدوجہد کرتا ہے اور اپنی خودی کو پہچان کر اس کائنات میں اپنی حیثیت منواتا ہے۔ "خودی" کا فلسفہ دراصل اسلامی روحِ ایمان اور عمل کی جدید تعبیر ہے، جو مسلمانوں کو غلامی، جمود اور مایوسی سے نکالنے کا پیغام دیتا ہے۔ اقبالؔ نے مغربی فکر کے اثرات کے باوجود اسلام کے ہمہ گیر اور آفاقی پیغام کو مرکزِ فکر بنایا، اور یہی ان کی شاعری کو ایک ایسا موثر ذریعہ بناتا ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کے فکری و روحانی احیاء میں گہرا اثر پڑتا ہے۔ اسی حوالے سے شاعر خضر سے ایک سوال کرتا ہے۔

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش (۱)

اور خضرؑ جواب میں کہتے ہیں۔

بندہ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیام کیا ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
ہمتِ عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ترے دامن میں شبنم کب تلک
حصہِ خواب آور اسکندر و جم کب تلک
توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریِ جنت سے روتی چشمِ آدم کب تلک
کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کی تجلی زار میں آباد ہو (۲)

علامہ اقبالؔ اس نظم میں اسلامی تشخص کے حوالے سے ان کی روحانی اور اخلاقی فطرت کا عکاس ہے جو اسے مادی سرمایہ داری کی غلامی سے آزاد کر کے اس ذاتی اور اجتماعی پہچان کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ تشخص صرف ظاہری رسومات یا رسم و رواج تک محدود نہیں بلکہ فطرت کی گہرائیوں میں چھپی عقل، عدل اور رحمت کی تعلیمات کو عملی شکل دیتا ہے۔ اقبالؔ کو کوئی حکیم ملت کہے یا عاشقِ حق ان کے احساسات، جذبات، تخیل اور کلام پر ایک "شوقِ انقلاب" اور دوسرے "جذبہِ عشق" کا غلبہ رہا ہے۔ "خضر راہ" کی تخلیق کے فوراً بعد اقبالؔ کی ایک اور نظم 'طلوع اسلام' ۱۹۲۲ء شائع ہوئی۔ اقبالؔ اس مستقبل سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں خود اعتمادی اور ہمت سے منزلِ مقصود کی جانب گامزن ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور حصولِ منزل کا یقین دلاتے ہیں۔ "بانگِ درا" (۱۹۲۴ء) کے بعد

اقبالؔ کے اردو کلام کا دوسرا مجموعہ ہے۔ ''بالِ جبریل'' (۱۹۳۵ء) اور تیسرا مجموعہ 'ضربِ کلیم' (۱۹۳۶ء) میں شائع ہوا۔ جن میں وہ فکر و فن کی ایک لازوال معراج حاصل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسکے وسیلے سے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم کو اس قدر متاثر کرتے ہیں کہ ان کی شاعری کو انسان آفریں شاعری سمجھا جانے لگتا ہے۔

یہیں اس بات کو بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اقبالؔ نے جس رنگِ شاعری کو پیش کیا بعد میں اس میں ناظرؔ محروم، نظرؔ (نوبت رائے) 'جوشؔ' چکبستؔ ظفر علی خاں، سرور جہاں آبادی، شوق، نادر کاکوروی، اور نیرنگ جیسے شعراء نے چار چاند لگا دیئے۔ ویسے دیکھا جائے تو وہ مسلم قوم کی زبوں حالی پر بے حد تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس کی حالت زار کی اصلاح کے لئے کافی فکر مند نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی نظموں میں انسانیت کو فروغ دینے کا جذبہ کسی طرح کم ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے انسانیت کی فلاح کے لئے اسلام کے نظریے کو اولیت دی، لیکن ان کے اس نظریے کی تکمیل صرف مسلمانوں کی اصلاح یا ارتقا کی شکل میں ابھر کر سامنے نہیں آتی بلکہ وہ اپنی انسانیت پرستی اور خلوص کی وجہ سے اس نظریے کو تمام اقوام کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ ان کا یہی کارنامہ اردو میں قومیت کے سلسلے میں کی جانے والی شاعری میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

اقبالؔ کے اس رویے سے اختلاف کی گنجائش تو نکالی جاسکتی ہے، مگر انھوں نے جس خلوص کے ساتھ مختلف اقوام کی فلاح و بہبود اور اصلاح کے لئے اس رویے کو اختیار کیا تھا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی شاعری میں کسی قسم کی تنگ نظری یا محدود خیالی نظر نہیں آتی، بلکہ وہ اسلامی نظریے کو عالم گیر بنا کر ان صداقتوں کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں جو انسانیت کے ارتقا اور تحفظ کے لئے ناگزیر ہیں۔ اسی لئے ان کی شاعری میں انسانی مساوات، اخوت، انسانی ہمدردی، انسان کی برتری اور بلندی کو اولیت حاصل ہے۔ وہ اپنے سارے جذبوں کو انسانی زندگی کی تروتازگی کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے اور ظاہر ہے ان کے نزدیک اسلام معاشی، تہذیبی، سماجی اور تمدنی اعتبار سے ایک مکمل نظامِ حیات رکھتا ہے۔ اس لئے اقبال نے نہ صرف ہندوستانی قوم کو بلکہ بین الاقوامی پیمانے پر دیگر اقوام کو بھی اپنا فلاح کے لئے اس نظریے کو ایک وسیلہ بنانے کی جانب متوجہ کیا۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> ''اقبالؔ اسلام کو ایک اہم انسانی تحریک سمجھتے ہیں۔ یہ تحریک ان کے خیال میں انسان دوستی کا سبق دیتی ہے۔ ملک و ملت کے تفرقے مٹانا چاہتی ہے اقبالؔ اس تحریک کے مفکر اور اس کے ترجمان ہیں۔ اس کے علم بردار ہیں۔'' (۳)

اس نوع کا پیغام اور تاثر 'فرمانِ خدا' میں اس طرح دیتے ہیں۔

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غریبوں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجِ فرد مایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو(۴)

اسلامی تشخص کے حوالے سے علامہ اقبالؔ اس نظم میں غریبوں کے سپنوں میں جو حریت و غیرت کی ندا کو رقم کیا ہے۔ اسلام کے تشخص کی وہی روشن صبح کھوتی ہے جس میں دلوں کا خون حرمت ویقین میں بدل جائے۔ یہ تشخص نہ محض شعار ہے نہ صرف رسم ورواج، یہ ایک زندہ فرمان ہے کہ انسان خود سرمایہ داری کے سایوں سے چھڑا کر عدل، رحمت اور برادری کے نور سے اپنے گھر کو روشن کرے۔ اقبالؔ انسان کو سوزِ یقین سے قریب تر کر کے اسے اس کی طاقت کا احساس دلانا چاہتے ہیں تا کہ ملوکیت اور نا انصافیاں ایک نقشِ کہن کی طرح صفحہِ ہستی سے مٹادی جائیں اور یہ کام مادی قوتوں کا نہیں کیوں کہ وہ فقط عقل کے سہارے پر زندہ رہتی ہیں جبکہ جذبہ عشق و جستجو سوزِ یقیں سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

کافر ہے مسلماں ، تو نہ شاہی ، نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی (۵)

علامہ اقبالؔ قوم اور قوم پرستی کے حوالے سے مزید ایک قطعہ پیش کرتے ہیں جس میں اسلامی تشخص کے حوالے سے کئی علامات موجود ہیں۔

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی ہے نہ صفاہاں نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فر زند(۶)

اسلامی تشخص کے حوالے سے اقبالؔ کی نظموں میں قومیت کا تصور بین المللی قومیت کے معنوں میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے اکثر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ اقبالؔ بین المللی ہمدردی کے نام پر کوئی ایسی تحریک چلانا چاہتے تھے جس کے تلے قومیت کا تصور دب جاتا ہے۔ لیکن ایسا ہر گز نہیں ہے۔ انھوں نے بین المللی تصور کو اس لئے پیش کیا تھا کہ وہ یورپی ممالک کے تصورِ قومیت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ جس کے تحت مخلوقِ خدا کو بے شمار اقوام میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اقبالؔ اس رویے کو عالمی پیمانے پر انسانی ترقی اور تربیت کے منافی سمجھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اسلامی نقطہِ نگاہ کو بنا کسی مصلحت اور بلاخوف و تردد کے اپنایا جس میں انسان کے بین المللی ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر(۷)

اس شعر میں بھی علامہ اقبالؔ قومی تشخص کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں کہ اگر نسل پرستی کو مذہب پر بھی مقدم کر دیا جائے تو وہ قوم دنیا سے کسی راستے کی خاک کی مانند اُڑتی دکھائی دے گی۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، ایرانی نہ افغانی (۸)

شاعر اسلامی تشخص کے حوالے سے قومیت کے اس تصور سے بعد میں بے حد بد ظن ہو گئے تھے۔ جو یورپی ممالک میں نیشنلزم کے نام سے رائج تھا۔ اقبالؔ کے نزدیک نیشنلزم کے خطرناک پہلو یہ تھے کہ اس کے ذریعے قوموں اور جماعتوں کے درمیان رقابت پیدا ہو جاتی ہے۔ جماعتی عصبیت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ تنگ نظری اور بے اصولی کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ یہ جذبہ صرف اپنے وطن سے ہی سے محبت کرنا سکھاتا ہے اور دوسرے ممالک کے لئے جذبہِ رقابت و منافرت پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اقبالؔ نے وطنیت اور قومیت کے لئے حد بندی کے جذبے کی سخت مخالفت کی۔ بقول ڈاکٹر سید عبد اللہ:

"اقبالؔ نیشنلزم کے ہر اس تصور کا شدید مخالف ہے جس کا معیار وطن، رنگِ نسل اور زبان ہو۔ (۹)"

اس سلسلے میں ان کے درج ذیل اشعار لائقِ توجہ ہیں۔

اقوامِ جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بنتی ہے اس سے
قومیتِ اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے (۱۰)

اسلامی تشخص کے حوالے سے علامہ اقبالؔ کی نگاہ میں قومیت کا تصور ابتدا میں وہ نہیں تھا جو بعد میں دورہِ یورپ (۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء) کے اثر سے پیدا ہوا۔ شروع میں انھوں نے غالبؔ، حالیؔ، شبلیؔ اور اکبر کے نظریاتِ شاعری سے اثرات قبول کرتے ہوئے نیچرل شاعری، حب الوطنی اور فنی نقطہِ نظر کے تحت ہندوستانی اقوام میں پھیلی ہوئی منافرت، فرقہ واریت، اور نسل پرستی جیسے موضوعات کو جدید اردو شاعری میں سمو دیا اور ان کی مخالفت میں آواز بلند کی۔ وہ صاف اور سادہ زبان میں اخلاقیات اور مستقبل کو سنوارنے کا درس اس شعری آہنگ اور رنگ میں دیتے ہیں کہ ان کی مزاجی کیفیت صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے ترا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں قیامت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستاں والوں

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں (۱۱)

اقبالؔ ان اشعار میں اسلامی تشخص کے حوالے سے قیامت نما تشبیہات اور آسمانی استعارات کا استعمال کر رہے ہیں وہ بنیادی طور پر اخلاقی اور سماجی بگاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اسلامی نقطہ نظر سے بھی یہی پیغام لیا جاسکتا ہے کہ اگر ہم اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائیں تو ہم اپنی قوم کو دنیائے عالم میں کامیاب اور کامران بنا سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کا عنصر بھی موجود ہے۔ اقبالؔ نے ابتدا میں ''تصویر درد'' ''صدائے درد'' اور ''ہمالہ'' جیسی نظموں کی تخلیق کی۔ جن میں ان کے قومی اور وطنی جذبے کو دیکھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کو جس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اس سے بھی ان کے جذبہ حب الوطنی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ گرونانک کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نورِ ابراہیم سے آذر کا گھر روشن ہوا
پھر انھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے (۱۲)

علامہ اقبالؔ کی نظم میں اسلامی تشخص ایک زندہ فعال اور معنوی قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ اس نظم میں حب الوطنی اور اتحاد و اتفاق کا جذبہ بھی کار فرما ہے۔ رام چندر جی کو اپنا خراجِ عقیدت اس طرح پیش کیا ہے:

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہل نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند
اعجاز اس چراغِ ہدایت کا ہے یہی
روشن تراز سحر ہے زمانے میں شامِ ہند
تلوار کا دھنی تھا شجاعت میں فرد تھا
پاکیزگی میں جوشِ محبت میں فرد تھا (۱۳)

اسلامی تشخص کے حوالے سے ان اشعار میں اقبالؔ نے اپنی نظموں میں گیتا سے بھی استفادہ کیا ہے اور تمام مذاہب کے اعلیٰ افکار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ذہن کے سیکولر ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ جہاں تک اقبالؔ کی نظموں میں وطنیت کا سوال ہے اس سلسلے میں ان کی نظموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ وہ ہے کہ جب انھوں نے اپنی دلائل کی شاعری میں وطن پرستی کے جذبے کو پر جوشؔ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کئی نظموں کی تخلیق بھی کی۔ ان نظموں کی تخلیق کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ انھوں نے بھی ایک عام ہندوستانی نوجوان کی طرح اپنے وطن سے گہری عقیدت کا اظہار کیا۔ دوسرے ان کی اس عمر میں ہندوستان کو آزاد کرانے والی تحریکات شدت اختیار کر چکی تھیں۔ جس سے اقبال بھی متاثر ہوگئے۔ اسی لئے انھوں نے اس عہد کے حالات کے پیشِ نظر اپنی نظموں کی تخلیق کی مثال کے طور پر ان کی نظم ''پرندے کی فریاد'' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس میں انھوں غلامی کے کرب کو بڑے درد انگیز لہجے میں بیان کرتے ہوئے اپنے وطن کی غلامی پر اظہارِ تاسف کیا ہے۔ یہ نظم تمثیلی انداز میں لکھی گئی ہے۔ پرندہ سے مراد ہندوستانی نوجوان ہے جسے فرنگی صعوبتوں کا شکار ہو کر غلامانہ زندگی گزارنی پڑ رہی تھی۔

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہوگیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سننے والے
دکھتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے (۱۴)

اسلامی تشخص کے حوالے سے اس نظم میں حب الوطنی سے متعلق علامہ اقبالؔ کے ابتدائی زمانے کی نظم "تصویرِ درد" میں جہاں انھیں نے اپنے وطن سے گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے وہیں ان ان کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دیا ہے جن کی وجہ سے ہندوستانی غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اقبالؔ کی یہ نظم کافی طویل ہے اور اس میں ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، جو ہندوستان کی عظمت کے ساتھ ہی ہندوستان کی غلامی کا باعث بنے۔ اس سلسلے میں بانگِ درا کے حصہ اول کی پہلی نظم "ہمالہ" کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جس میں اقبالؔ نے اپنے وطن کی عظمت کا اعتراف بڑے کھلے دل و دماغ کے ساتھ کیا ہے اس نظم میں ان کا گہرا تاریخی مشاہدہ، شعوری عمق، تجسس مسلسل، عزمِ معصم، تواریخی حقائق کے ساتھ ایک فلسفیانہ لہجہ بھی موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

اے ہمالہ اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں
تجھ میں پیدا کچھ نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیمِ طور سینا کے لئے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لئے (۱۵)

اسلامی تشخص کے حوالے سے علامہ اقبالؔ نظم ہمالہ میں فطرت، انسان اور خالق کے گہرے روحانی نمایاں دکھائی دے رہا ہے۔ پہاڑ کی بلندی وہ استقامت و عظمت اور شانِ توحید کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس نظم میں اقبالؔ کا تصور فطرت اسلامی نظریہ توحید سے ہم آہنگ ہے۔ اسی جذبے کے اور بھی گہرے نقوش ہمیں اقبالؔ کی نظم "ترانہ ہندی" میں نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہم سایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا (۱۶)

اس نظم میں اسلامی تشخص کے حوالے سے اقبالؔ اپنے وطن ہندوستان کو سارے جہاں سے اچھا سمجھتے ہیں اور خود کو اس چمن کی بلبلوں سے تشبیہ دیتے ہیں ہمیں غربت میں بھی اپنا وطن یاد رہتا ہے اس شعر میں اپنے ملک کے اونچے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے اور اُسے اپنا محافظ تصور کیا ہے۔

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جنا ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے ہیں جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا(۱۷)

ان اشعار میں اسلامی تشخص کے حوالے سے قومی محبت کے ساتھ روحانی وحدت اور ایمان کی جھلک موجود ہے۔ اس نظم کے باطن میں اتحاد، اخوت، خدمتِ انسانیت کا درس موجود ہے اور ایک دوسرے سے باہم متحد رہنے کا جذبہ موجود ہے۔ وطن سے گہری عقیدت کے نقوش ہمیں اقبالؔ کی نظم "بچے کی دعا" اور "ہندوستانی بچوں کا گیت" میں نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کا سینہ
نوحِ نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینہ
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینہ
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے (۱۸)

اسلامی تشخص کے حوالے علامہ اقبالؔ کی اس نظم میں قومی محبت اور انسانی اخوت کی عظیم مثال موجود ہے۔ اگرچہ نظم بظاہر وطن پرستی اور ہند کی محبت پر مبنی ہے لیکن اس کے اندر اقبال کا تصورِ امت اور وحدتِ انسانیت کا تصور جھلکتا ہے۔ اقبالؔ نے اپنی نظم "نیا شوالہ" میں وطن سے گہری عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے
آ! غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
دنیا کی تیرتھوں سے اونچا ہے اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مئے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے(۱۹)

اسلامی تشخص کے حوالے سے اس نظم میں فکری اور روحانی پہلو نمایاں طور پر موجود ہے۔ اگرچہ یہ نظم بظاہر بین المذاہب ، ہم آہنگی اور ہندوستانی کا پیغام دیتی ہے۔ اس نظم میں وہ پرانے معبدوں کے بجائے نئی فکری روشنی اور باطنی بیداری کی بات کرتے ہیں۔ اس نظم میں وطنی عقیدت مندی کے ساتھ ہی قومی اتحاد کی جانب بھی اہل وطن کو متوجہ کیا ہے۔ اقبالؔ کی شاعری میں قومیت اور وطنیت کے تصور کے دو رخ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ انھوں نے قومیت اور وطنیت کے جذبے کو ہندوستانی قوم اور وطن تک محدود رکھا اور دوسرا زمانہ جب انھوں نے یورپی ممالک کے سفر کے بعد قومیت اور وطنیت کے تصور کو بین الاقوامی اور بین المللی کے پیمانے پر ول کر نظموں کی تخلیق کی۔ یورپ میں قیام اور کئی ممالک کے سفر کے دوران انھیں مغربی تہذیب اور سماجی روایتوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور انھیں محسوس ہونے لگا کہ مغربی ممالک بین الاقوامی مفاد یا جذبہ انسانیت کے نام نہاد علمبردار بنے بیٹھے ہیں۔ مغربی رہنماؤں کی اپنے مذہب اور اقتصادی خوشحالی کے لئے مشرق پر صدیوں سے جاری یلغار سے اقبالؔ بہت دکھی تھے۔ مغربی تہذیب کی سطحیت پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ یہاں یہ کہنا بھی بے جانہ ہو گا کہ اقبالؔ' حالیؔ اور اکبرؔ جیسے باکمال شعراء سے متاثر تھے۔ یہی بلکہ یہ اتنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اثر قبول کرتے ہوئے بعد میں ترقی پسند ادب اور شاعری سے متعلق بیشتر شعراء بھی ان کے ذریعے ہموار کی گئی راہوں پر گامزن ہوئے۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء کے دوران اقبالؔ نے اردو شاعری کے مزاج کو صرف بدلا ہی نہیں بلکہ اسے زندگی کے فلسفہ اور تلخ حقیقتوں کے بیان کا وسیلہ بنا دیا۔ اور ہند کو یہ مبارک پیغام دیا کہ آزادی انسان کا روحانی حق ہے۔ اور ہندوستان کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے تمام غلام ممالک کی علمبرداری کرنی چاہیے۔ انسان کو خوف اور مایوسی کے حصار سے باہر آکر بنی نوع انسان کی آزادی' خوش حالی' توانائی اور رجائیت کے حصول کے لئے بھرپور امنگ اور عزم سے کام لینا چاہیے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ پریم چند اور اقبالؔ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ دونوں ہم عصر ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی حیاتِ اجتماعی اور ارتقائے انسانی کے ترجمان اور رازداں ہیں۔ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے افکار کا تعلق ہماری اجتماعی زندگی سے ٹوٹنے نہیں پائے۔"(۲۰)

تمام حقائق کو اگر نظر میں رکھ کر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبالؔ کو ایک ایسے آفاقی، بین الاقوامی اور روحانی نظام کی تلاش تھی جس کی بنیاد فلاحِ انسان پر رکھی جائے۔ یہی جذبہ تھا جو اقبالؔ کے تخیل کی بلندیوں پر بین الاقوامی صورت میں چھا گیا تھا، مگر اس کی موجودگی اقبالؔ کی حُب الوطنی کے جذبے کو کمزور نہیں پڑنے دیتی۔ کیوں کہ یہ تو ان کا ایمان تھا اور شاید اسی وجہ سے وطن سے غداری کو انسانیت کے خلاف ایک ایسا سنگین جرم تصور کرتے ہیں جس کا ارتکاب ایسے غدار کو دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں لے جاتا ہے۔ مگر اقبالؔ صرف اسی پر قناعت نہیں کرتے۔ اسی لئے وہ ملک سے غداری کرنے والے میر جعفرؔ اور میر صادقؔ کی کئی مقامات مذمت پر کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اقبالؔ کو ہندوستان سے اس قدر گہری عقیدت اور محبت تھی کہ اس میں کسی قسم کا شک کرنا یا اس میں تضاد کرنا ایک گناہ کے مترادف ہو گا۔ اپنی دفات سے چند ہفتے پہلے اقبالؔ نے مولانا احمد حسین مدنی سے گفتگو کرتے ہوئے مسئلہ قومیت پر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا تھا:

> "ہزاروں لاکھوں برس سے قومیں ملکوں اور ملک قوموں سے وابستہ رہے ہیں۔ ہم سب ہندوستانی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ کیوں کہ ہم دنیا کے اس حصے میں بستے ہیں جسے ہندوستان کہا جاتا ہے۔ اسی طرح چینی، عرب، جاپانی اور ایرانی سب اپنے اپنے ملکوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ مادرِ وطن کا تصور جغرافیائی اصطلاح ہے۔ اور یہ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر شخص فطری طور پر اپنے زاد بوم سے محبت کرتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنے مقدور بھر قربانی دینے پر آمادہ رہتا ہے۔"(۲۱)

علامہ اقبالؔ کی نظم گوئی میں اسلامی تشخص کے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی شاعری محض جذبات و احساسات کا اظہار نہیں بلکہ ایک فکری تحریک ہے جو مسلمانانِ عالم کو اپنے کھوئے ہوئے وقار اور روحانی طاقت کی یاد دلاتی ہے۔ اقبال نے اپنی نظموں میں مسلمانوں کو بیداری، اتحاد اور جہدِ مسلسل کا پیغام دیا، تاکہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمتِ رفتہ حاصل کر سکیں۔ ان کی شاعری میں اسلامی تشخص ایک زندہ، متحرک اور انقلابی قوت کے طور پر ابھرتا ہے جو فرد اور ملت دونوں کی فکری و عملی زندگی کو سنوارنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علامہ اقبالؔ، کلیات اقبالؔ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ بک ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص:۲۵۶

۲۔ ایضاً، ص:۲۶۲، ۲۶۳

۳۔ بریلوی، ڈاکٹر عبادت، جدید شاعری، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء، ص:۱۵۶

۴۔ www.rekhta.com

۵۔ ایضاً، ص:۳۲۷

۶۔ ایضاً، ص:۳۱۳

۷۔ ایضاً، ص:۲۶۵

۸۔ ایضاً، ص:۲۷۰

۹۔ وقار عظیم، اقبالؔ معاصرین کی نظر میں، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء، ص:۱۱۵

۱۰۔ علامہ اقبالؔ، کلیات اقبالؔ، دہلی: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ص:۱۶۱

۱۱۔ www.khayyalnama.com

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۳۹

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۷۷

۱۴۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۱

۱۶۔ ایضاً، ص:۸۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۸۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۸۸

۲۰۔ بیاضِ مجلسِ اقبالؔ، مرتب: آفاق احمد، بھوپال: علامہ اقبالؔ ادبی مرکز، ۲۰۰۳ء، ص:۴۸

۲۱۔ برتی، سید مظفر حسین، محبِ وطن اقبالؔ، ہریانہ: ہریانہ اردو اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص:۷۰

References in Roman Script:

1. Allama Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Delhi: Educational Publishing Book House, 2005, p. 256
2. Ibid**,** pp. 262–263
3. Barelvi, Ibadat, Dr., Jadeed Shayari, Aligarh: Educational Book House, 1983, p. 156
4. www.rekhta.org
5. Ibid**.**, p. 327
6. Ibid**.,** p. 313
7. Ibid**.**, p. 265
8. Ibid**.,** p. 270
9. Waqar Azeem, Iqbal Mu‘asireen ki Nazar Mein, Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1973, p. 115
10. Allama Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Delhi: Educational Book House, n.d., p. 161
11. www.khayyalnama.com
12. Ibid**.**, p. 239
13. Ibid**.,** p. 177
14. Ibid**.**, p. 37
15. Ibid**.**, p. 21
16. Ibid**.,** p. 83
17. Ibid**.**, p. 13
18. Ibid**.**, p. 87
19. Ibid**.**, p. 88
20. Bayaaz-e-Majlis-e-Iqbal, murattib: Aafaq Ahmad, Bhopal: Allama Iqbal Adabi Markaz, 2003, p. 48
21. Berti, Syed Muzaffar Hussain, Mohibb-e-Watan Iqbal, Haryana: Haryana Urdu Academy, 1985, p. 70